وہ بے یقینی سے ہنسا۔ ''پھر بھی...... پھر بھی' تمہاری عمر میں یہ تردد۔''

علی باہر دیکھنے لگا۔ دھوپ کی سفید چادر میدان میں پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کر لیا۔

''تم سورج میں نہیں دیکھ سکتے؟'' دوسرے شخص نے پوچھا۔

''تم کہاں کام کر رہے ہو؟'' علی نے پوچھا۔

''پچھلی دروازے پر۔''

''کیا کر رہے ہو؟''

''کھود رہے ہیں۔ بجلی کے لئے۔''

''تمہارا جسم کھودنے کے لئے اچھا ہے۔'' علی نے اسے تعریفی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس نے منہ میں ہنس کر کوئی جواب دیا لیکن علی باہر دھوپ میں اور اندر کمرے میں لکڑی اور اینٹوں کے بکھرے ہوئے ٹکڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا شخص [illegible] بیلچہ کندھے پر رکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''پھر بھی' اس عمل میں یہ تردد۔ خوراک زیادہ کرو' خوراک......''

اس نے بیلچے کے دستے کے سرے پر پوٹلی باندھی اور باہر نکل گیا۔

اس کی پشت چوڑی تھی اور اس میں ہلکا سا خم تھا۔ وہ تھکے ہوئے قدموں سے چل رہا تھا/ جا رہا تھا۔ بیلچے کے سرے پر خالی [illegible] گیا۔ جب میدان کے سرے پر وہ مڑ کر اوجھل ہو گیا تو علی' جو خالی خالی نظروں سے اسے تک رہا تھا' اچانک بے چین ہو گیا۔ وہ اب پورے طور پر اس کے ذہن میں آ چکا تھا۔ جھکی ہوئی چوڑی پشت پر اس کی سادہ خوش کن مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کا جی چاہا کہ پھر اس کو دیکھے۔ وہ اٹھ کر کھڑکی کے سامنے جا کھڑا ہوا جو لُو کے زور سے کھل گئی تھی۔ وہ اب بھی جا رہا تھا' اسی بھاری تھکی ہوئی چال کے ساتھ۔ بیلچے کا سرا اور خالی پوٹلی سر سے اوپر لٹکے ہوئے تھے۔ علی دیر تک متلاشی نظروں سے دیکھتا رہا لیکن اس کا چہرہ دوسری طرف تھا اور سورج اس کے کندھوں پر چمک رہا تھا۔ دور سے اس کی دھیمی' مستقل چال کا نظارہ دیکھنے والے میں تھکن پیدا کرتا تھا۔ علی کھڑکی سے ہٹ آیا۔ وہ اس قدر اکیلا تھا...... تنہا۔ یہ حیران کن خیال پہلی دفعہ اس کے دل میں پیدا ہوا۔

اب میدان بہت سے لوگوں سے بھر گیا تھا جو مختلف سمتوں میں آ جا رہے تھے۔ ان میں سے کسی کو کام کی جلدی نہ تھی۔ وہ محض سورج کی تختی کی وجہ سے تیز تیز چل رہے تھے۔ جب وہ ٹھنڈے کمروں اور سایہ دار جگہوں میں اپنے اپنے کام پر پہنچتے تو بے مدعا خلا میں گھورتے' اوزاروں کو بے دلی سے اٹھاتے اور رکھتے اور کام شروع کرنے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے۔ دوپہر کے کھانے کے بعد جو کاہلی اور ستانے کی خواہش جسم پر قبضہ پا لیتی ہے' اس کے زیر اثر وہ تھوڑی دیر کے لئے بیکار ہو جاتے۔

کمرے میں اور کمرے کے باہر خاموشی اور خلا کا سحر ٹوٹ چکا تھا۔ علی کے چاروں طرف لوگ گھوم رہے

تھے اور اونچی سست آوازوں میں باتیں کر رہے تھے۔ کھڑکی کے قریب کھڑے کھڑے اس نے باری باری سب کو دیکھا۔ واضح طور پر سب کی موجودگی کو الگ الگ محسوس کیا۔ خود ان کے وجود سے بے تعلق رہا۔ کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے محسوس کیا کہ وہ خود باہر کے نظارے میں شامل تھا اور کھڑکی کے باہر کھڑا کمرے میں دیکھ رہا تھا۔ یہ حیران کن محسوسات کا دن تھا۔ وجود اور احساسات کا یہ عالم اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

''بند کرو۔ اسے بند کر دو۔'' چند آوازیں آئیں۔ علی نے جھک کر اوزار اٹھائے اور باہر نکل گیا۔ پیچھے کمرے میں کسی نے گالی دی اور چٹاخ سے کھڑکی بند کر دی۔

میدان میں سورج کی چمک کے ساتھ ساتھ خواب کا وہ عالم تیزی سے گزر گیا۔ آہستہ آہستہ اس کے معدے کی مخصوص جلن بڑھنی شروع ہوئی۔ وہ اس بڑے ہال میں داخل ہوا جہاں وہ کام کر رہے تھے۔ ہال خشک اور تپا ہوا تھا اور بے کواڑ کھڑکیوں میں سے دھوپ اندر آ رہی تھی۔ لمبائی کے رخ چھوٹے چھوٹے چبوتروں پر تکلوں کی موٹریں نصب کی جا رہی تھیں۔ وہ اپنے چبوترے کے پاس رک کر ادھ کسے کابلے کو دیکھنے لگا جس کو وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ اس کے آگے اور پیچھے تمام لوگ کام شروع کر چکے تھے۔ دھات کے ٹکرانے اور ایک ساتھ مل کر زور لگاتے ہوئے خلاصیوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ وہ چبوترے پر بیٹھ کر کابلے کسنے لگا۔ چابی گھماتے گھماتے اس نے کسے ہوئے کابلوں کو گنا۔ صرف پندرہ تھے۔ یہ اس کا اس وقت تک کا کام تھا۔ شام سے پہلے پہلے اسے چالیس کابلے کسنا تھے۔ وہ تیزی سے [illegible]

فقر نے دور سے علی کو کام کرتے ہوئے دیکھا اور موٹے موٹے کھردرے ہاتھ لٹکا کر چلتا ہوا اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔

''کتنے ہوئے؟''

علی اس کرخت آواز سے مانوس تھا۔ ''پندرہ ...... استاد۔'' اس نے کہا۔

''ایں؟ پندرہ؟'' فقر چیخا۔

''پندرہ۔'' علی نے ڈھٹائی سے دہرایا۔

''آ ...... آ'' فقر نے مایوسی سے ہاتھ پھیلائے۔ اس کا مصنوعی غصہ غائب ہو چکا تھا۔ ''تو لوہار کا لونڈا ہے' ہیں؟ لعنت ہے۔ تو اپنے باپ پر حرف بدلایا ہے۔ تجھ سے تو یہ چمار کا لونڈا اچھا ہے جس نے اپنے خاندان کا نام اونچا کیا ہے۔'' وہ اگلے چبوترے کے پاس سے گزرتے ہوئے چمار لونڈے کی پسلیوں میں انگوٹھا چبھو کر بولا۔ لڑکا جو نوعمر اور تازہ وارد تھا' سرخ ہو گیا اور دانت نکال کر ہنسنے لگا۔

علی مشین کی سی تیزی اور باقاعدگی سے کابلے کستا رہا اور آہستہ آہستہ اس کے سینے کی سوزش بڑھتی گئی۔ جب بتیس کابلے ہو گئے تو اس نے سر اٹھایا۔ چار موٹریں چھوڑ کر ایک لونڈا فقر کی ٹانگوں سے چمٹا ہوا تھا۔ اس وقت وہ استاد کی پتلون اتارنے کی فکر میں تھا جو کہ ان سب کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ کسی نہ کسی بہانے اس کی ٹانگوں پر ہاتھ رکھ

UrduPhoto.com

کر اصرار کرتے جاتے اور فنر، سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے آگے آگے چلنے کی کوشش کرتا رہتا۔ اس طرح وہ اس کی پتلون نیچے گرانے میں کامیاب ہو جاتے۔ اس وقت وہ لڑکا بہانے خوری سے مسکین سی شکل بنائے منتیں کر رہا تھا اور استاد اس سے ٹانگیں چھڑانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کی پتلون لونڈے کے ہاتھوں میں آ گئی جسے وہ نیچے گرا کر سرپٹ بھاگا۔ فنر اونچی آواز میں گالیاں دینے اور پتلون کسنے لگا۔ سب اپنے اپنے منہ قمیضوں میں چھپا کر ہنسنے لگے۔ علی کو اپنی ہنسی کی آواز سینے کی دیواروں کے ساتھ بجتی ہوئی محسوس ہوئی۔ جب فنر چکر لگاتا ہوا وہاں سے گزرا تو وہ چابی چھوڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

''میں چائے پینے جا رہا ہوں۔'' اس نے کہا۔

''ایں...... ابھی تو آئے ہو؟''

''میں نے کچھ نہیں کھایا۔''

فنر نے شاید پہلی دفعہ اسے غور سے دیکھا اور چونک پڑا۔ ''علی'' اس نے آہستہ سے اسے کندھے پر چھوا۔ ''کیا بات ہے؟''

''مجھے بھوک لگی ہے۔''

''تم رات کو سوئے نہیں؟''

''[illegible]'' علی نے [illegible]

''جاؤ'' اس نے دوبارہ اضطراب سے علی کے کندھے کو چھوا۔ ''آرام کرو۔ جاؤ''

باہر نکلتے ہی اس کی بھوک غائب ہو گئی۔ میدان میں دھوپ کا رنگ پھیکا پڑ رہا تھا اور اندر سے اٹھنے والے شور کے باوجود باہر گرما کی دوپہر کا سناٹا اور جمود قائم تھا۔ لوہے کی پائپوں اور مشینری کے کریٹوں کے پاس سے گزر کر وہ کینٹین کی سیڑھیاں چڑھا۔

''ایک چائے دو۔'' اس نے کنکریٹ کے کاؤنٹر پر جھک کر کہا۔

''بیٹھ جاؤ علی۔ بڑی گرمی پڑ رہی ہے۔'' کینٹین والے ادھیڑ عمر کمزور شخص نے کہا۔

''ہاں۔'' وہ بنچ پر بیٹھ گیا۔

''کیسا چل رہا ہے؟''

''ٹھیک چل رہا ہے۔'' علی نے چائے کی سُرکی لی۔

''اتنے سال ہو گئے۔'' کینٹین والے نے مایوسی سے کہا۔ ''کب تک چلے گا؟''

''کیا؟''

''فیکٹری بن ہی نہیں پاتی۔''

گرمی سے گھبرائی ہوئی چند چڑیاں کمرے میں چکر لگا رہی تھیں۔ وہ پھر بولا:

UrduPhoto.com

"تمہارے کوئی بچہ ہے؟"

علی نے نفی میں سر ہلایا۔

"کتنے سال ہوئے؟"

"پتا نہیں۔"

"پتا نہیں؟" ادھیڑ عمر کا کمزور شخص منہ کھول کر ہنسا۔ علی نے سرخ سرخ آنکھیں نکال کر اسے دیکھا اور چائے کا آخری گھونٹ حلق میں اتار کر باہر نکل آیا۔

"یہ گنوار لوگ جو بھوکے مرتے ہوئے کام کی تلاش میں آتے ہیں۔" کینٹین والے نے علی کے پیچھے دیکھتے ہوئے ایک اور گاہک سے کہنا شروع کیا۔

لوہے کے پائپوں اور مشینری کے کریٹوں کے پاس سے گزرتے ہوئے اس کے کان میں دور سے خلاصیوں کے گروہ کی دھیمی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ ہئی شا ...... ہئی شا ...... بے دلی سے قدم رکھتا ہوا وہ اپنے چبوترے کے پاس آ کھڑا ہوا۔ زیادہ تر لوگ کام چھوڑ کر چبوتروں کے پیچھے چھپ کر بیٹھے ہوئے گپیں مار رہے تھے۔ استادوں کی لائن کے فٹر کے پاس بیٹھا چھوٹا سا عجیبی حقہ پی رہا تھا۔ چند ایک شخص آواز پیدا کرنے کو دھات سے دھات ٹکرا رہے تھے اور باتیں کرتے جا رہے تھے۔ خلاصیوں کا گروہ ایک بھاری مشین کو رسّے سے باندھ کر اندر لا رہا تھا۔ [illegible] خواب آلود تھی۔

پھر خلاصیوں کی آوازیں اچانک تیز ہو گئیں۔ دونوں فٹر گھبرا کر اٹھے اور حقہ جیب میں ڈال کر قطاروں کے بیچ دوڑنے لگے۔ مزدور اور کاریگر اپنے اپنے اوزاروں کی طرف لپکے۔ کام کا شور ایک دم بڑھ گیا۔ دروازے میں سے سرخ چہرے والا بڈھا انگریز چیف انجینئر داخل ہوا۔ وہ ہر وقت آگ بگولا رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ گنگنا فورمین تھا۔ چھوٹا سا گنجا سر سانپ کی طرح تیزی سے چاروں طرف گھما کر چلتا ہوا وہ اندر آیا۔ "ہے ...... ہے" کر کے فٹروں کو پاس بلایا اور ہال کے وسط میں رک کر کام کا جائزہ لینے لگا۔ پھر فورمین کو مخاطب کر کے اس نے فٹروں کے سروں کے اوپر بازو چلائے اور نامکمل کام کی طرف اشارہ کر کے پانچ منٹ تک تیز خشک آواز میں چیختا اور غصے سے ناچتا رہا۔ موٹروں کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے ایک لڑکے کے چوتڑوں پر بوٹ کی ٹھوک ماری اور چیخا۔ "ہے جالڈی کرو......" لڑکے نے چبوترے کا سہارا لے کر آہستہ سے گالی دی۔ علی بازو لٹکائے اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ کھڑا رہا حتیٰ کہ بڈھا انگریز اسی طرح چیختا ہوا اس کے پاس سے گزر گیا۔ اس نے خاموشی سے دانت پیسے۔

کچھ دیر تک کام تیزی سے ہوتا رہا۔ پھر نوجوان انجینئر مجید داخل ہوا۔ اس کا قد لمبا اور رنگ سانولا تھا۔ انگریزی لہجے میں "ہے ...... ہے" کر کے اس نے فٹروں کو بلایا۔ چند منٹ تک بازوؤں کو تیزی سے ہوا میں حرکت دیتا اور چیختا رہا۔ پھر کہنیاں باہر نکال کر چلتا ہوا نکل گیا۔ اس کے لبوں پر ہلکی سی اطمینان بخش، فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ کچھ دیر کے بعد دونوں فٹر پھر حقہ پی رہے تھے اور لونڈے چبوتروں کے پیچھے گپیں مار رہے تھے۔

UrduPhoto.com

اوزاروں کو وہیں چھوڑ کر علی باہر نکل آیا۔ معدے کی جلن کی جگہ اب ایک دھیمی، مستقل، شدید بے دلی اور بدمزگی نے لے لی تھی۔ ایک ایسی کیفیت جو آسانی سے سہاری نہ جاسکنے کے علاوہ وہ آسانی سے بیان بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ میدان کو پار کرتے ہوئے اسے ایک عجیب و غریب خیال آیا کہ جیسے وہ اکھڑے ہوئے نوجوان درختوں کے سائے میں سستا رہا ہے اور درخت روز بروز خشک ہوتے جارہے ہیں۔

دھوپ میں سر جھکا کر وہ اکیلا چلتا رہا۔ دوپہر زرد پڑ چکی تھی۔ لیکن آسمان ابھی گرم اور خیالا تھا۔ چیلیں اوپر چلی گئی تھیں اور دور سے ان کی چیخوں کی آواز دوپہر کے آخری سناٹے کو سنسان بنا رہی تھی۔ کوٹے جو درختوں اور دیواروں کے پرندے ہیں، سائے میں پانی کی لوٹیوں کے گرد چوکس بیٹھے تھے جب کہ علی کڑی، مستقل چال سے ان کے قریب سے گزرتا رہا۔ کہیں کہیں بچے، جن کے والدین مصروف اور لاپرواہ تھے، کووں کی طرح دیواروں کے سائے میں بیٹھے آہستہ آہستہ کھیل رہے تھے۔ کبھی کبھی کوئی بچہ اس اکیلے جاتے ہوئے شخص کو پہچان کر انگلی سے اشارہ کرتا: ''وہ علی ہے'' اور پھر کھیلنے لگتا۔

دروازے اور کھڑکیاں بند کر کے عائشہ سو رہی تھی۔ اس کے گال اور چھاتیاں پسینے سے تر تھیں اور ذرا سے کھلے ہوئے منہ سے خراٹوں کی آواز آرہی تھی۔ علی دروازے میں کھڑا آشنا، لاتعلق نظروں سے اس کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے زور سے دروازہ بند کیا۔ عائشہ جاگ اٹھی۔

''تم دوپہر کو کہاں [illegible]'' وہ [illegible] لمبی سی لڑکی تھی جس کا رنگ [illegible] اور جلد صحت مند تھی۔ ''میں بیٹھی انتظار کرتی رہی، پھر پتا نہیں کب سو گئی۔ بڑی [illegible] لگ رہی تھی تم کھانا کھا لیا؟ سب [illegible] تھے۔ آج تم کو بڑا کام تھا؟ میں نے رحیم سے پوچھا تو اس نے کہا کہ اس نے تمہیں ادھر آتے دیکھا تھا۔ پھر تم کہاں [illegible] گئے؟ ایک مرغی کو کالو اٹھا کر لے گیا ہے [illegible] کالو کا بچہ۔ بلا تم اسے مار کیوں نہیں دیتے؟ پتا ہے ان گرمیوں میں ہم نے ایک بلا مارا تھا۔ گاؤں میں۔ جب روشن آغا کے کتے ......''

''مجھے کھانے دو۔'' علی نے جھلا کر کہا۔

وہ باتیں کرتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ ''تم نہالو تو اچھا ہے۔ کھا کر نہاؤ گے تو گرم سرد ہو جاؤ گے۔ کھانا تو میں نے تیار کر دیا تھا۔ جب ایک پہر دن ......'' آہستہ آہستہ اس کی آواز بھنبھناہٹ میں تبدیل ہو گئی۔ علی خالی خالی نظروں سے دیواروں کو دیکھتا ہوا چارپائی پر بیٹھا رہا۔ جب وہ کھانا لے آئی تو اس نے پاؤں اوپر کھینچ کر ٹانگیں سمیٹیں اور کھانے لگا۔

''مکھیاں ٹڈی کی طرح آتی ہیں۔'' عائشہ مکھیاں اڑاتے ہوئے بولی: ''ٹڈی یہاں کبھی نہیں دیکھی۔ شادی سے پچھلے سال جب میں روشن پور آئی تھی تو کتنی ٹڈی آئی تھی۔ گاؤں کی ساری لڑکیاں ٹڈی پکڑنے کو نکل آئی تھیں اور سارے مرد فصلوں میں گھس کر شور مچا رہے تھے۔ اور ہمیں دیکھ کر تم کھیت سے نکل آئے تھے اور تم نے مجھ سے کہا تھا ''ٹڈی مت کھانا۔ عورتوں کے لئے اچھی نہیں ہوتی۔ بس مرد کے لئے اچھی ہوتی ہے۔'' اس وقت میں راول کی

UrduPhoto.com

مانگ تھی۔ اس نے تمہیں باتیں کرتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ راول آج کل کہاں ہے؟ آج بارش آئے گی۔ آسمان تپ رہا ہے اور چیلوں کی آواز تم نے سنی ہے؟ پانی مانگ رہی ہیں۔ دور اوپر...... وہ دیکھو۔ آج کریلے اچھے نہیں ہیں؟ آج پودینہ نہیں تھا۔ رحیم کے بیٹے کے پیٹ میں مروڑ اٹھا تھا وہ سارا توڑ کر لے گئے۔ تم نے ہی کہا تھا رحیم کے گھر سے جو کچھ مانگیں دے دیا کرو۔ آج مکھیاں بھی زیادہ ہیں۔ سویرے کچھ لوگ آئے تھے جو مسجد کے لئے چندہ جمع کر رہے تھے۔ میں نے اندر سے کنڈی لگا کر مکر کر لیا۔ (علی نے کھانا کھاتے ہوئے دل میں اسے گندی سی گالی دی) دیر تک وہ دروازہ توڑتے رہے' پھر چلے گئے۔ ہم کوئی مسجد میں جاتے ہیں جو چندہ دیں۔ کالو کے پیچھے میں بھاگی تھی مگر وہ تیز نکلا۔ میں کتنا تیز بھاگی تھی تمہیں یاد ہے؟ میرا جی گاؤں جانے کو کرتا ہے۔ یہاں پر چڑیاں نہیں ہوتیں۔ ایں؟''

علی کو بھوک نہ تھی مگر کھائے جا رہا تھا' ہر ایک نوالے کو چبا کر' باریک لعاب بنا کر نگل رہا تھا۔ جب اس نے پانی پی کر برتن عائشہ کو پکڑائے تو بھی وہ باتیں کر رہی تھی۔ وہ ایک بے تمیز کسان لڑکی تھی جس کی زندگی کی واحد خواہش اپنے مرد کو خوش کرنا تھی' اس قوی خواہش کو پورا کرنے کے لئے اسے باتیں کرنے کے سوا کچھ نہ آتا تھا۔ جب وہ دوبارہ کمرے میں واخل ہوئی تو علی چارپائی پر لیٹا چھت کو تک رہا تھا۔ وہ پھر باتیں کرنے لگی۔

''دروازہ بند کر دے۔ یہ روشنی۔'' علی نے آنکھوں پر ہاتھ رکھا۔ بولتے بولتے اس نے دروازہ بند کیا۔

''[illegible]''

وہ گنوار عورتوں کی طرح آ کر اس کے پاس بے سدھ لیٹ گئی۔ علی اس کی لمبی' گول ران پر ہاتھ رکھے لیٹا رہا' انتظار کرتا رہا' پھر ایک اندھیرے میں ہنسا اور اس پر جھک گیا۔ ہنسی کی آواز مصنوعی اور کھوکھلی تھی۔

بعد میں وہ دیر تک بے دم لیٹا ہوا چھت کو گھورتا رہا اور غنودگی آہستہ آہستہ اس پر طاری ہوتی گئی۔ اس کے اعصاب پرسکون تھے لیکن روح کی شورش دب جانے کے باوجود قائم تھی۔ آج کا دن تیز جلن کا دن تھا۔ ایسے دن لمبے لمبے وقفوں پر آیا کرتے تھے۔

(۲۹)

''اے لڑکو' لڑکیاں ہیں'' فقر احمد نے دروازے میں رک کر کہا۔ پھر وہ ہنسا اور ایک آنکھ بھینچ کر مسکرایا۔

''کچھ لڑکیاں ہیں نا۔'' اس نے دوبارہ کہا۔

سارے 'سپنگ روم' میں ایک خاموش اضطراب پھیل گیا۔ بیزار چہروں پر رنگ آ گیا اور مشتاق نظریں دروازے پر لگ گئیں۔ باہر فیکٹری کی فضا ہمیشہ کی طرح بے موسم اور گرد آلود تھی۔ ایک مزدور اوزار بجاتا ہوا تیز تیز میدان پار کر رہا تھا۔ اندر قطار در قطار چلتے ہوئے تکلوں پر کھڑے ہوئے مزدوروں میں یہ خبر آہستہ آہستہ پھیلنے لگی۔

فضل نے ہمت کر کے اپنا ٹکا چھوڑا اور دروازے میں جا کر سر باہر نکالا۔ فیکٹری کی گرد آلود فضا صاف ہو گئی تھی اور اس میں موسم کے رنگ نکھر آئے تھے۔ شوخ رنگوں کے اونی لبادے اور شالیں اوڑھے طالب علم لڑکیوں کا گروہ لاپروائی سے چلتا ہوا سپنگ روم کی طرف آ رہا تھا۔ سرما کی تیز ہوا میں ان کے لبادے اڑ رہے تھے اور سر پر بندھے ہوئے رنگین رومالوں میں سے نکلی ہوئی گھنے سیاہ بالوں کی لٹیں ان کے ماتھوں پر پھڑ پھڑا رہی تھیں۔ وہ سب نوعمر' صحت مند لڑکیاں تھیں اور کھلکھلا کر ہنس رہی تھیں۔ چند لمحے تک وہ دونوں دروازے میں کھڑے خوشگوار تحیر کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے' پھر جلدی سے ہٹ آئے۔ واپسی پر فضل علی کے پاس رکا۔ اس کے ایک زوردار دھپ سے علی اچھل کر سیدھا ہو گیا۔

''کیا ہے؟'' اس نے گالی دے کر کہا۔

''لڑکیاں آئی ہیں۔''

''ہیں......''

فضل مکاری سے ہنستا اور اس کے کندھے پر ہاتھ مارتا ہوا آگے چلا گیا۔ علی نے دوبارہ گالی دی۔

ان کے ساتھ ایک نوجوان انجینئر' جس نے لباس میں غیر معمولی اہتمام کر رکھا تھا' بے حد اخلاق کے ساتھ آگے آگے چل رہا تھا۔ گروپ کے آخر میں دو لڑکیاں نوجوان کی چال ڈھال کی نقل اتار رہی تھیں۔

''[illegible] اتنا [illegible] ہے''

''[illegible]؟''

''ہاں۔ مشینی چرخے۔'' انجینئر نے فخر سے مسکرا کر کہا۔

''چرخہ......'' شرارتی لڑکیوں میں سے ایک نے انجینئر کی طرف اشارہ کر کے اپنی ساتھی سے کہا۔

''مشینی چرخہ......'' دوسری نے زیر لب دہرایا اور ہونٹ دبا کر ہنسی۔

''یہ کیا ہے اے اے۔''

''اررررآ آ......'' انجینئر نے جھپٹ کر بڑی لڑکی کی شال تکلے میں سے چھڑا لی۔ وہ لڑکی جو گروپ کی لیڈر معلوم ہوتی تھی اور سنجیدگی سے انجینئر کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی سب چیز دیکھتی رہی تھی' اب حواس باختہ کھڑی پھٹی ہوئی شال کو ہاتھ میں مروڑ رہی تھی۔

''متحرک مشینری'' انجینئر تنبیہا ہاتھ ہوا میں ہلا کر پکارا۔ ''متحرک مشینری کے نزدیک کوئی مت جائے۔ یہ انتہائی خطرناک ہے۔ اور اپنے اپنے لبادوں کو ڈھیلا مت چھوڑیئے' یہ انتہائی خطرناک ہے اور ...... یہ انتہائی خطرناک ہے' بہرحال۔''

''اف اللہ' کتنا شور ہے۔'' ایک لڑکی نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

''چرخے کے نزدیک مت جاؤ۔'' پہلی شرارتی لڑکی نے کہا۔

"چرخے کو ہاتھ مت لگاؤ۔" دوسری شرارتی لڑکی نے کہا۔

مشینری کے شور میں ان کی آواز زیادہ دور تک نہ جا سکی۔ دو رویہ متحیر اور سادہ' جھجک بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مزدوروں کے بیچ بیچ یہ خوبصورت مجمع آگے بڑھتا گیا۔

"اے ......" ایک مزدور کے پاس رک کر انجینئر مصنوعی غصے سے چلایا۔ "تکلا اُدھر نہیں ادھر ہے۔"

مزدور کھسیانا ہو کر مشین کو گھورنے لگا۔

"چرخہ اُدھر نہیں ادھر ہے۔" دونوں شرارتی لڑکیوں نے کہا۔

مستقل باتیں کرتا اور کلائی کو چھوتا ہوا نوجوان انجینئر گروہ کے آگے آگے باہر نکل گیا۔

مزدوروں میں آہستہ آہستہ اضطراب پھیلنے لگا۔ پہلے وہ اپنی اپنی جگہوں پر پیر گھسیٹتے رہے' پھر دروازے کی طرف بڑھنا شروع ہوئے۔ پہلے فٹر' پھر نائب فٹر' پھر تکلوں والے' چھوٹے سے دروازے پر دس بارہ سر اکٹھے ہو گئے اور ایک دوسرے کو دھکیلنے لگے۔ اب سادہ تحیر مٹ چکا تھا اور مسرور قوتیں بیدار ہو رہی تھیں۔ وہ وحشیانہ طور پر ہنس رہے تھے' بے دھڑک گالیاں دے رہے تھے اور ایک دوسرے کی بغلوں میں کہنیاں دے کر اچھالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ کھلکھلا کر ہنستی ہوئی لڑکیوں کا گروہ آہستہ آہستہ میدان پار کر رہا تھا۔ تیز سرد ہوا میں ان کے چہرے سرخ ہو رہے تھے اور انہوں نے اپنے لبادے کس کر لپیٹ رکھے تھے جن میں سے ان کے صحت مند جسموں کا ایک ایک عضو متحرک دکھائی [illegible] دروازے انسانی سروں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔

چھوٹا سا گنجا فورمین عقبی دروازے سے داخل ہوا اور بہت سی مشینوں کو خالی پا کر جھنجھلا گیا' بھاگتا ہوا دوسرے دروازے پر پہنچا اور پچھلے دو مزدوروں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر اچھلا۔

"کیا ہے۔ کیا ہو رہا ہے؟" وہ گرجا۔

پچھلے دو مزدور تیزی سے اپنی اپنی جگہ پر واپس پہنچ گئے۔ اگلے دونوں کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فورمین نے دوبارہ اونچی چھلانگ لگائی اور زمین پر آ رہا۔

"سورو' یہ کیا ہو رہا ہے۔ مشینوں کو کیوں چھوڑا' ہیں؟ یہ کیا تماشا ہو رہا ہے۔ ہیں؟"

مزدور کھسیا کر وہاں سے کھسکنے لگے۔ فورمین ان کے درمیان اچھلتا رہا۔ جب فٹر اس کی نظر بچا کر گزرنے لگا تو اس نے اسے کالر سے پکڑ لیا اور انگلی ہلا ہلا کر ملامت کرنے لگا۔ فٹر احمقوں کی طرح ہنستا رہا۔

جب فورمین چلا گیا تو مشینوں پر کھڑے ہوئے انسانوں کی شوخی پھر اوپر آ گئی۔

"سید ھا ان کے پیچھے جا رہا ہے۔ گنجا سالا۔" ایک مزدور نے کہا۔ علی نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"جاؤ...... اپنی جگہ پر جاؤ۔" فٹر ان کے قریب آ کر چیخا۔ "اب ان کو پکڑ کر کھانا چاہتے ہو؟"

دونوں بزدلی سے ہنستے ہوئے واپس آ گئے۔ فٹر جا کر دروازے میں کھڑا ہو گیا۔

''اسے ناچتے ہوئے دیکھا تھا۔ گنجے مسخرے کو؟''

''ہاں۔'' علی ہنسا۔ ''میرے کندھے تک بھی نہ پہنچتا تھا۔''

''گنجے بونے کو؟'' فضل نے ٹھٹھا مار کر پوچھا۔ ''وہ اور اس کا باپ اوپر تلے کھڑے ہو جائیں تو پار کر جاؤں۔''

''چپ رہ شیخی خورے۔'' پسلا مزدور جل کر بولا۔

''ہیں؟'' فضل للکارا۔ ''تم کھڑے گھوڑے کو پار کر سکتے ہو؟''

''ہنہ۔'' دوسرے نے حقارت سے کہا۔ ''نہ ہوگا گھوڑا نہ تم کرو گے پار۔''

''تو...... آجاؤ۔'' فضل نے چاروں طرف دیواروں پر اونچی اونچی نظریں گھمائیں۔ ''اس پر...... اس پر۔'' اس نے ایک اونچی کھڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

''آجاؤ۔''

دونوں نے ہنستے اور گالیاں دیتے ہوئے لنگوٹ کسنے شروع کر دیے۔ ساتھ ساتھ وہ دروازے سے باہر بھی دیکھتے جا رہے تھے۔ میدان کے دوسرے سرے والے ہال کی کھڑکیوں میں سے طالب علموں کے سر نظر آ رہے تھے۔

''چلو......'' ایک نے کہا۔

''پہلے تم جاؤ۔'' دوسرے نے جواب دیا۔

فضل نے ایک چلتی ہوئی نگاہ باہر کی طرف دوڑائی اور تیزی سے بھاگا۔ جب دیوار چند قدم پر رہ گئی تو اس نے رفتار تیز کر دی اور دیوار پر پاؤں مار کر اچھلا اور کھڑکی پر ہاتھ ٹکا دیے۔ اب وہ بازوؤں کے سہارے لٹک رہا تھا۔

''شاباش۔'' کھڑکی کے قریب کی مشین والا ران پر مکا مار کر چلایا۔

فضل بازوؤں کے زور پر آہستہ آہستہ اٹھنے لگا، ذرا سا رکا اور نیچے آ گیا۔ چند سیکنڈ کے بعد پھر اٹھا اور ناکام رہا۔ اس دفعہ وہ پہلے سے زیادہ اٹھ گیا تھا اور زیادہ دیر تک رکا رہا تھا۔ نیچے کھڑے ہوئے مزدور جوش سے چلائے۔ تیسری دفعہ اس نے دانت پیس کر زور لگایا اور اس کی ٹھوڑی کھڑکی کے زینے تک پہنچ گئی۔ وہ رکا رہا، رکا رہا۔ اس کے دانت بھنچے ہوکر ایک دوسرے پر جمے ہوئے تھے اور کندھے بری طرح کپکپا رہے تھے۔ اس نے گھٹنے اور پاؤں چلائے لیکن دیوار سیدھی اور ہموار تھی اور اس پر کوئی سہارا نہ تھا۔ ایک آخری کوشش میں اس نے ہاتھ اٹھا کر سلاخوں کو پکڑنا چاہا مگر دوسرا ہاتھ بوجھ کو نہ سنبھال سکا اور پھسل گیا۔ اس کی ٹھوڑی کھڑکی کے پتھر سے ٹکرائی اور وہ دھڑام سے نیچے آ گرا۔ نیچے والے مجمع میں سے مایوسی کی کراہ بلند ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اٹھا اور لنگڑاتا ہوا دیوار کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کا انتظار کیے بغیر دوسرا مزدور پوری قوت سے بھاگا اور دیوار پر پاؤں مار کر بہت اونچا اچھلا۔ پہلی ہی کوشش میں اس نے مضبوطی سے ہاتھ سلاخوں پر جمالیے۔ لیکن اس کے بازو کمزور تھے۔ وہ ایک بار خفیف سا اوپر اٹھنے کے بعد اس نے ہاتھ چھوڑ دیے اور بلی کی طرح پاؤں پر گرا۔ مزدور جواب

کھڑکی کے نیچے اکٹھے ہو گئے تھے' ٹھٹھا مار کر ہنسے۔ ناکام چھلانگیے نے ڈھٹائی سے انہیں گالی دی اور بلاوجہ ہنسنے لگا۔

قمر جو مجمع کے سر پر آ گیا تھا' پہلے تو بھنایا' پھر مزدوروں کا جوش و خروش دیکھ کر ٹھنڈا پڑ گیا اور ان میں دلچسپی لینے لگا۔ دو تین اور جوان پھلانگنے کے لئے تیار ہو رہے تھے۔

''ایک ایک کر کے..... ایک ایک کر کے۔'' قمر پکارا۔ ''مشینوں کو خالی مت چھوڑو۔ جو چھلانگ لگائے گا اس کی مشین کا دوسرا دھیان رکھے گا۔ ایک ایک......''

ایک ایک کر کے سب جوانمردوں نے چھلانگ لگانی شروع کی۔ کافی دیر تک وہ زور آزمائی کرتے رہے مگر دیوار سرد اور اٹوٹ تھی۔ اس نے سارے تو جوانوں کے غرور کو مجروح کر دیا۔ دانت پیس پیس کر' پٹھے کھینچ کھینچ کر اور رگیں پھلا پھلا کر انہوں نے اپنی ساری قوتیں صرف کر دیں۔ ایک مسخرہ مزدور دیر تک جو سلاخوں سے لٹکا رہا تو اس کے ہاتھ وہیں پر جکڑے گئے اور اس کو نیم بیہوشی کی حالت میں سیڑھی کی مدد سے نیچے اتارا گیا۔ اس کے بعد سب نے ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہوئے یہ کھیل بند کر دیا۔

ایک گھنٹے کے بعد حالات معمول پر آ گئے۔ سب مزدور اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے مشینوں کی یکساں' بیزار کر دینے والی آواز کو سن رہے تھے۔ باہر فیکٹری کی فضا بے موسم اور گرد آلود تھی اور ہوا کا زور ٹوٹ چکا تھا۔

UrduPhoto.com

(۲۰)

اوپر کی منزل سے جو چوبی زینہ برآمدے میں اترتا تھا مسلسل استعمال کی وجہ سے گھس چکا تھا مگر اس کی لکڑی سیاہ' ٹھوس اور عمدہ کی تھی۔ نے برآمدے میں اترتے ہی ناک اٹھا کر سونگھا۔ ہوا میں بارش اور گیلے پتوں کی مہک تھی۔ اس نے خوشی سے کپڑوں پر ہاتھ پھیرا اور پائنچے اٹھا کر احتیاط سے چلنے لگی۔ برآمدے کا فرش گیلا اور پھسلواں تھا۔ اندر سے خالہ نے اُسے دیکھا اور پکاری:

''بی بی...... ننگے پاؤں ں ں......''

اس نے چوزوں کی طرح گردن کندھوں میں چھپائی اور دیوار کی اوٹ میں ہو کر چلنے لگی۔ برآمدہ خالی اور طویل تھا اور بھیگی ہوئی چڑیاں بیلوں میں بیٹھی پر جھٹک رہی تھیں۔ اس نے پائنچے چھوڑ دیئے۔ ڈھیلے ڈھالے پاجامے میں اس کے پاؤں اور پائنچے گیلے ہونے لگے۔ برآمدے کے وسط میں چند لمحے کو رک کر اس نے بے مدعا' اطمینان کے ساتھ آس پاس کی بے رنگی اور بیزار کر دینے والے موسم کو دیکھا۔ پھر اس نے پائنچے اٹھا لیے۔ اس کے پاؤں زردی مائل اور دبلے تھے۔ چلتے چلتے اس نے ایک پاؤں پلٹ کر دیکھا۔ تلوا گلابی اور دھلا ہوا تھا اور اس میں فرش کی نمدار' خوشگوار ٹھنڈک جذب ہو رہی تھی۔ برآمدے کے موڑ تک پہنچتے پہنچتے اس نے پھر پائنچے چھوڑ دیئے اور باہیں ہلاتی ہوئی لاپروائی سے چلنے لگی۔ اگلے بازو میں بہت سی اوٹ پٹانگ چیزیں بکھری پڑی تھیں۔ وہ چونک چونک

کی میز کے کونے پر بیٹھ کر ٹانگیں ہلانے لگی۔ دوسرے کونے میں عمران دیوار سے ٹیک لگائے اکڑوں بیٹھا تھا۔ اس نے ایک سرسری' ست نگاہ اپنی نوعمر پھوپھی پر ڈالی اور باہر دیکھنے لگا۔

وہ کافی دیر تک خاموش بیٹھی پاؤں ہلاتی رہی' پھر مڑ کر شگفتگی سے بولی۔ "ہلو ماسٹر ڈل"

عمران نے ٹھہری ہوئی' کاہل نظروں سے جن سے حماقت اور لاعلمی کا اظہار ہوتا تھا اسے دیکھا۔

"موسم نے سارا مزا خراب کر دیا۔" وہ پھر بولی۔

"ہاں۔" عمران نے سر ہلایا۔ وہ ایک ست دماغ اور بھیگی بھیگی اداس آنکھوں والا نوجوان لڑکا تھا جس کے چہرے پر کوئی تاثر شاذ ہی پیدا ہوتا تھا نجمی بیزاری کے باوجود اسی طرح بیٹھی شگفتگی سے ٹانگیں ہلاتی اور فرش پر بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھتی رہی۔ بارش لگاتار ہو رہی تھی۔ ایک بھٹکی ہوئی زرد تتلی برآمدے میں سے گزری۔

"زرد گلاب کی پنکھڑی۔" وہ بولی۔ "تم نے وہ نظم سنی ہے جو میں نے جاڑوں میں لکھی تھی؟"

عمران نے اپنی لاعلم نظروں سے دیکھا۔ "جاڑوں میں؟ اوہ...... ہاں جاڑوں میں۔"

"ساری چڑیاں بھیگ گئی ہیں۔ تتلیاں غائب ہو گئی ہیں۔ برسات آ گئی ہے۔" وہ گاتی ہوئی بولی۔

"تتلیاں جاڑوں میں ہوتی ہیں۔" عمران نے بے حد اہم لہجے میں' جیسے کہ وہ ہر معنوی بات کو ادا کیا کرتا تھا' کہا۔

"جب [illegible] میں ہر [illegible] پھولوں [illegible] چمک [illegible] تتلیاں اڑتی پھرتی ہیں رنگ برنگ اور شہد کی مکھیاں رنگ برنگ...... رنگ برنگ' اور تازے ہیں نہیں؟ اوہ......" اس نے مٹھیاں کس کر چھاتی میں بھینچ لیں اور آنکھیں بیچ کر ملیں۔ "ہے نہیں؟"

"میں نے پرویز بھائی کو سنائی تھی' زرد گلاب کی پنکھڑی۔" اس نے پاؤں پھیلا کر بارش کی پھوار کو محسوس کیا اور گنگنائی۔ "گلاب جو خزاں کی بارش میں پھولتا ہے۔"

"پپا ابھی تک نہیں آئے۔" نوجوان لڑکے نے بچوں کی طرح بھیگی بھیگی اداس آنکھیں اٹھا کر کہا۔

"پرویز بھائی بھی نہیں آئے۔ پچھلی بار بھی آدھی رات کو پہنچے تھے۔ آج بھی نہیں آئے۔"

"انہوں نے تحفہ تو دیا ہی تھا۔"

"دستخطوں کا کیا ہے۔" وہ رنج سے چیخ کر بولی۔

عمران ششدر بیٹھا اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کو جمع ہوتے ہوئے دیکھتا رہا۔ وہ پاؤں لٹکائے' دونوں ہاتھ گود میں رکھے خاموش بیٹھی بارش کے شور کو سنتی رہی۔ آس پاس گہرا سکوت تھا۔ بے رنگ' بارش آلود سہ پہر کا سکوت جس میں گیلی چڑیاں برآمدے کی بیل میں چھپی ست' مختصر آوازوں میں باتیں کر رہی تھیں اور بادل بہت نیچے جھک آئے تھے اور یوکلپٹس کی چوٹیوں میں پھر رہے تھے۔ یہ برسات کی پہلی بارش تھی جس نے آج نجمی کی سالگرہ کا ستیاناس کر دیا تھا۔

UrduPhoto.com

عمران اپنے کونے پر بیٹھا کاہلی سے پتنگ پونگ کی جالی کو چھوتا اور لپیٹتا رہا۔ کبھی کبھی وہ سہمی ہوئی نظر تجمی پر بھی ڈال لیتا جو ایک بڑے سے سر والی، دبلی پتلی اور سیدھے سادے، قدرے ہموار جسم کی لڑکی تھی۔ وہ ایسے لوگوں میں سے تھی جن کی صحت کا اندازہ لگانے میں ہمیشہ مشکل پیش آتی ہے، جو ہر روز مزاج کے مطابق رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ اس کا قد چھوٹا تھا مگر جسم کے تنگ چوکھٹے کی وجہ سے پست قد نہ لگتی تھی۔ اس کے چہرے پر کوئی خصوصی جاذبیت نہ تھی۔ صرف اس کے نسبتاً بڑے سائز کے سر نے اس میں مستقل کم عمری کی دلکشی پیدا کر دی تھی۔ اور پھر اس کی آنکھیں تھیں، سیاہ اور مائع اور بڑی بڑی اور گہری اور بے حد روشن۔ اس کی ساری شخصیت میں صرف آنکھیں تھیں جو دیکھنے والے کو متاثر اور مبہوت کرتی تھیں۔ نازک جسم اور پھیکے چہرے پر وہ اس قدر ذہین اور جاندار آنکھیں تھیں اور اس کے بال تھے جو سیدھے اور سیاہ تھے اور اس کی آنکھوں سے میل کھاتے تھے۔ اس کی غیر معمولی حساس طبیعت نے اسے گھر بھر کے لئے دردِ سر بنا رکھا تھا۔ اس وقت وہ برآمدے میں بیٹھی جلد جلد آنکھیں جھپکتی ہوئی دور دور تک گرتی ہوئی بارش کو دیکھ رہی تھی۔ بادلوں کے پیچھے آتے ہوئے دن کی روشنی گھٹتی جا رہی تھی۔

''ہلو ماسٹر ڈل۔'' خاموش بیٹھے بیٹھے اس نے دوبارہ مڑ کر شگفتگی سے کہا۔

''ہلو۔'' عمران نے رکھائی سے جواب دیا۔ وہ پھر اپنی مخصوص بے خیالی میں جا چکی تھی۔ اس کی یہ اوٹ پٹانگ ذہنی غیر حاضری عمران کو پریشان کر دیتی تھی۔

پھر وہ [illegible] مجھے [illegible] ہوئی ہوں۔ بارش اتنی دور دور تک ہو رہی ہے۔ ایسا عجیب لگتا ہے۔''

لڑکے نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ماسٹر یہ بارش جو مجھے بیزار کرتی ہے کیا تم کو اچھی لگتی ہے؟ بتاؤ۔''

''مجھے ...'' وہ تیز تیز جالی لپیٹنے لگا۔ ''بیزار نہیں کرتی۔''

''اچھا؟'' تجمی نے آنکھیں پھیلا کر کہا۔ پھر دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں کانوں پر رکھ کر دبائیں۔ ''اوہ خدایا۔ پتا نہیں ...... مجھے کچھ پتا نہیں چلتا۔ بس ایسا عجیب لگتا ہے۔ ہاؤ سلی۔'' تھوڑی دیر کے بعد اس نے دونوں ہاتھ گود میں رکھ لئے اور آنکھیں کھول کر دھیرے دھیرے کہنے لگی: ''یہ مجھے بیزار بھی کرتی ہے اور میں اس کو دیکھنے کے لئے بھی آئی ہوں۔ پتا نہیں کیوں۔''

لیکن عمران نے محسوس کیا کہ وہ وہاں پر نہ تھی، وہ اسے دیکھ بھی نہ رہی تھی۔ وہ اس پر نظریں جمائے کچھ بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔ بارش کا شور بڑھ گیا اور بیلوں میں بھیگتی ہوئی چڑیاں گھبرا کر اڑنے لگیں۔

''بارش تیز ہو گئی ہے۔'' عمران نے اہم لہجے میں اطلاع دی۔ وہ چونک پڑی۔ ''بارش کی آواز کو تم سن رہے ہو؟''

لڑکے نے کھوئی کھوئی حالت میں سر ہلایا۔

UrduPhoto.com

''اوہ سویٹ۔'' نجمی نے مٹھیاں ہوا میں چلائیں۔ ''اپنی ڈیئر یہ اس قدر بس اررر...... بالکل بے ہوش کردینے والی آواز ہے۔ بارش کی نا؟ (اس نے پوچھا۔) ہاں جیسے میوزک...... رات کے وقت میں ایک دم بج اٹھیں۔ مکمل میوزک۔ آرکسٹرا۔ یا رقص کی تال جیسے ایک دم تیز ہو جائے' گھنگرو' یا پھر...... ارے نہیں بھئی۔'' اس نے ہاتھ جھٹک کر گود میں رکھ لئے اور خلا میں دیکھنے لگی۔ لڑکے نے اطمینان کا سانس لیا اور جالی میز پر رکھ کر اکڑوں بیٹھ گیا۔ وہ پھر بول اٹھی: ''ارے ہاں۔ جیسے میوزک بجتے بجتے ایک دم تھم جائے' یا ناچتے ناچتے کوئی ایک دم رک جائے۔ ایک دم' تو پھر جو شور پیدا ہوتا ہے کانوں میں تیزی' بالکل بے ہوش کردینے والا پیدا ہوتا ہے نا سارے میں؟ تمہیں پتا ہے؟ یعنی گھنگرو جب ایک دم تھم جائیں تو اس کے بعد......'' اس نے آنکھیں پھیلا کر سمجھانے کی کوشش کی۔

دیوار کے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے نے پھر اثبات میں سر ہلایا۔

''ہائے سویٹ اپنی ڈیئر میوزک کلاس میں اتنی دفعہ میں نے محسوس کیا اور آج ابھی اس وقت مجھے یاد آیا ہے کہ یہ بالکل ویسا ہے۔ پر ماسٹر یہ کہاں سے آتا ہے بتاؤ۔ یہ بارش تو تمہیں پتا ہے کہاں گرتی ہے۔ راستوں پر' چھتوں پر' درختوں پر' پتوں پر۔'' اس نے ہاتھ پھیلایا۔ ''ساری بے آواز جگہوں پر۔ پھر یہ میوزک کہاں سے آتا ہے۔ بتاؤ۔''

لڑکا اپنی جگہ پر کسمسا کر خاموش رہا۔

[illegible]

وہ عادی' بیزار نظروں سے بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔ اچانک نجمی نے کانوں کو دونوں ہاتھوں میں ڈھانپ لیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''تمہیں کچھ پتا نہیں۔'' وہ چیخی۔ ''کچھ بھی نہیں۔ ڈل۔ ڈل ماسٹر۔''

وہ پھر پلٹ کر بیٹھ گئی۔ بارش کا شور آہستہ آہستہ کم ہو گیا اور بادلوں کے اٹھ جانے سے اجالا بڑھنے لگا۔ جب وہ بیٹھی بیٹھی اکتا گئی تو میز سے اتر کر برآمدے کی سیڑھیوں تک گئی اور بارش میں ہاتھ پھیلا کر کھڑی رہی۔ بارش بدستور کبھی تیزی' کبھی آہستگی سے ہوتی رہی۔

برآمدے کے کونے سے ایک مہری گھاگرا اٹھائے تیز تیز چلتی ہوئی نمودار ہوئی اور پاس آ کر چائے کے لئے بولی۔

''ہم یہیں پر چائے پئیں گے۔'' عمران نے کہا۔

''ہاں' ہم یہیں پر چائے پئیں گے۔'' نجمی نے خوشی سے کہا۔

''آج لیلیٰ بڑا عمدہ ناچی تھی۔'' عمران نے کہا۔

''اوہ ونڈرفل اپنی' اس سے اچھی رادھا تو وہ ڈرامے میں بھی نہیں بنی تھی۔'' وہ کھسک کر اس کے قریب ہو بیٹھی۔

''اور اس کی بہن نے ماسک کیا شاندار بنائے تھے۔ ارے کچھ بھی پتا نہیں چلتا تھا اللہ...... وہ سینٹ زیویرز میں ہے۔''

UrduPhoto.com

''تم نے میرے گھوڑے کی ٹانگ توڑ دی۔'' عمران نے منہ لٹکا کر نیچے دیکھا جہاں اس کا تین ٹانگوں والا گھوڑا اوندھا پڑا بارش میں بھیگ رہا تھا۔

''مجھے اتنا افسوس ہے امی‘ تو میز پر میں کیا کرتی‘ تم خود ہی میرے اوپر چڑھ آئے تھے۔ ریس میں کوئی گھوڑا اپنی لین بھی چھوڑتا ہے؟ میرے گھوڑے نے دولتی لگائی تمہارے گھوڑے کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔''

''گھوڑے نے لگائی یا تم نے لگائی۔'' لڑکا جل کر بولا۔

وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر بولی: ''لیکن مجھے افسوس ہے امی۔ ہم ایسے عزیز العزیز ترین دوست ہیں آپس میں‘ نہیں؟''

دونوں ایک ساتھ ہنس پڑے۔ آمنے سامنے بیٹھے میز کی ہموار چمکدار سطح پر چائے کے قطرے ٹپکاتے ہوئے وہ خوشی سے دن بھر کی باتیں کرتے رہے۔

''فرحت کیوں نہیں آئی؟'' عمران نے پوچھا۔

''اسے انفلوئنزا ہو گیا ہے۔ ریاض نے ہمیں بتایا۔ اسے دیکھنے کو ہم کل صبح جا رہے ہیں۔''

''ہاں کل صبح۔''

''پچھلی بار جو ہم نے مبارک باد کا گیت گایا تھا......''

'' [illegible] ''

''ارے آہستہ بولو بھئی۔'' نجمی نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر کہا۔ ''عذرا آپا کی بڑی پکی دوست ہے۔ لیکن امی‘ یہ ذرا اچھی بات نہیں۔ تمہیں اس سے بات تو کرنی چاہیے کم از کم وہ اتنی سویٹ ہے۔ اچھا تو اسی لئے مبارک باد کے گیت میں تم بلے کی طرح منہ پھلا کر بیٹھے رہے۔''

''پاپا بھی کہتے تھے وہ سویٹ ہے۔'' وہ چھوٹے چھوٹے منہ سے بولا۔

''وہ تو ہے بھئی۔'' نجمی نے مسکرا کر کہا۔ ''گیت نوری نے بھی اچھا گایا تھا۔''

''تم اس کے ساتھ لڑی کیوں تھیں؟''

''ارے نہیں بات کر رہی تھی۔''

''ارے واہ‘ تم تو گرج گرج کر بحث کر رہی تھیں۔''

''میں نے پوچھا تھا آنکھیں بند کر کے جھولا جھولنے سے جو تارے نظر آتے ہیں ان کا رنگ کیسا ہوتا ہے۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اس کو نہیں آتے نظر۔''

''اسے خواب میں نظر آتے ہوں گے۔'' عمران ہنسا۔

''ارے ہائے امی کل میں نے خواب دیکھا۔'' وہ اس پر نظریں جمائے جمائے بے خیالی میں چلی گئی اور رک رک کر بولنے لگی۔ ''خواب دیکھا کہ جنگل ہے اور میں گھوڑے پر سوار جا رہی ہوں جا رہی ہوں اور جنگل گہرا ہوتا

جا رہا ہے گہرا ہوتا جا رہا ہے' پھر گھوڑا بھاگ گیا۔ ہیں؟ پھر گھوڑا مجھے گرا کر کہیں بھاگ گیا۔ میں نے اٹھ کر اسے آوازیں دیں' پونی ...... پونی ڈیر ...... پونی پونی ...... 'حتیٰ کہ ڈر کے مارے میری آواز بیٹھ گئی اور پونی نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں چلنے لگی۔ بیچ راستے سے ہٹ کر' کنارے کنارے' درختوں کے نیچے نیچے' میرے اوپر بکھرے سے مرے ہوئے درخت تھے اور جب کوئی پتا میرے بالوں پر گرتا تو میں چونک پڑتی۔ پھر پتوں کی بارش ہونے لگی ہر طرف۔ اور دیکھتے دیکھتے راستہ پتوں میں غائب ہو گیا۔ میں بھاگنے لگی' بہت تیز۔ پتے زرد اور خشک تھے اور میرے پاؤں کے نیچے ان کے ٹوٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں بھاگتی گئی اور گھوڑے کے ملنے کی دعائیں مانگتی رہی کہ ایک کھلی جگہ آ گئی۔ یہ ایک جھیل تھی جو خشک ہو چکی تھی۔ تہہ میں تھوڑا سا پانی تھا جس پر کہرہ جما ہوا تھا۔ وہاں پر کوئی بھی نہ تھا۔ سوائے ایک پرندے کے جو جھیل کے کنارے ایک ٹانگ پر کھڑا تھا۔ میں نے ڈرتے ڈرتے اس کے قریب جا کر کچھ پوچھا۔ اس ننھے سے آبی پرندے نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا اور منہ کھول کر قہقہہ لگایا (عمران کھلکھلا کر ہنسا۔ وہ اس کی طرف توجہ دیئے بغیر بولتی رہی۔) پھر اس نے سر سے مجھے آگے جانے کا اشارہ کیا۔ میں نے دیکھا آگے پہاڑیاں تھیں جن پر برف گر رہی تھی۔ گر رہی تھی یا گر چکی تھی' یاد نہیں رہا' لیکن وہ برف پوش تھیں۔ میں پھر بھاگنے لگی۔ اب میں خوفزدہ نہ تھی۔ میں خوشی سے بھاگ رہی تھی۔ خوشی سے ...... بہت خوفزدہ نہ تھی۔ میں خوشی سے بھاگ رہی تھی' خوشی سے۔ بہت تیز۔" وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ "کیسا ہے یہ کہ ...... بتاؤ۔"

"[illegible]"

"کیوں کر ہے؟ کیوں ہے؟" اس نے تقریباً چیخ کر کہا۔

"کیوں [illegible] نے سہم کر دہرایا۔ "پتہ نہیں۔ خوابوں کا کوئی مطلب نہیں ہوتا۔"

"اوہ ......" انتہائی رنجیدہ ہو کر وہ اس کی طرف سے منہ پھیر کر بیٹھ گئی۔ اس کا گھٹنا لگنے سے پیالی اوندھی ہو گئی اور اس میں بچی ہوئی چائے میز پر پھیل گئی۔ آنسوؤں کو روکنے کے لئے وہ تیز تیز آنکھیں جھپکنے اور پاؤں ہلانے لگی۔ کچھ دیر بعد اس نے پوچھا۔

"تم خواب نہیں دیکھتے؟"

"نہیں ...... کبھی کبھی۔"

"کیا۔"

"کیا؟" لڑکے نے دہرایا۔ "کچھ نہیں۔ یہی کہ ...... جیسے آج دیکھوں کہ ہم نے برآمدے میں چائے پی۔"

وہ کانوں تک سرخ ہو گئی۔ عمران نے چابی اٹھائی اور اسے کھولنے اور لپیٹنے لگا۔ بے حد گیلی ہوا ان کے چہروں سے ٹکرا رہی تھی۔ بیل پر سے بارش کے قطرے سیڑھیوں پر گر رہے تھے۔ اب شام پڑ رہی تھی۔

"تم نے اپنا کام ختم کر لیا؟" دیر کے بعد لڑکی نے مڑ کر پوچھا۔

"کیا؟"

UrduPhoto.com

نجمی نے برآمدے کے فرش کی طرف دیکھا۔ عمران جھنجلا کر اٹھا اور اس کے سامنے سے گزر کر بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگا۔ لکڑی کے گھوڑے' ماسک' ریل گاڑی بمع لائن' کریکر' کاغذ کی ٹوپیاں' غبارے' اور اسی طرح کا کتنا ہی الم غلم۔ وہ رنجیدہ نظروں سے بیٹھی دیکھتی رہی۔

''باقی تم اٹھاؤ گی۔'' آدھی چیزوں کا ڈھیر لگاتے ہوئے وہ پھولے ہوئے منہ سے بولا۔

''یہ میرا کام نہیں۔''

''مجھے نہیں پتا۔''

''میں خالہ سے کہوں گی...... کہ تم نے اپنا کام نہیں کیا۔''

''میں بھی کہوں گا۔''

''کیا؟''

''کہ تم نے پھر میز پر چائے گرائی ہے۔'' اس نے دونوں بازوؤں میں چیزیں بھرتے ہوئے کہا۔

''تم...... میری شکایت کرو گے؟'' وہ رنج سے چیخی۔

لڑکے نے بیزاری سے اس کی طرف دیکھا اور چیزیں سنبھال کر چل پڑا۔ ''میں تمہاری پروا نہیں کرتا۔'' اس نے کہا۔ وہ اسے برآمدے میں غائب ہوتے دیکھتی رہی۔ پھر کود کر اتری اور پائنچے اٹھا کر دالانوں میں بھاگنے لگی۔ عذرا کے [illegible] اپنے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ نجمی نے قالین پر گر کر اس کی گود میں منہ چھپا لیا۔

''عذرا آپا۔'' وہ سسک کر بولی۔ ''میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔''

''کیا ہے بی بی۔ کس کے ساتھ؟'' عذرا نے تشویش سے پوچھا۔

''ماسٹر ڈول۔''

''تو کون کہتا ہے آپ اس کے ساتھ رہیں بیٹا۔ کیا کہتا ہے؟''

''وہ کہتا ہے...... کہتا ہے کہ خواب میں وہ چائے پیتا ہے اور......''

عذرا ہنسی۔ ''تو ٹھیک ہے آپ الگ رہیں وہ الگ رہے گا۔''

نجمی نے اس کی گود میں سے منہ اٹھایا اور غصے سے بولی: ''ڈول...... ماسٹر۔''

''ڈول ماسٹر نہیں کہتے بیٹا' عمران کہتے ہیں۔ وہ آپ سے بڑا ہے۔'' عذرا نے اس کے بال سنوارے' آنکھیں خشک کیں اور جھک کر اس کی پیشانی کو چوما۔ ''اچھا اب آپ جا کر جوتے پہنیں۔''

وہ بارش آلود دن ختم ہو رہا تھا اور عذرا اکیلی دریچے میں کھڑی دور تک گرتی ہوئی بارش اور جھلملاتی ہوئی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی۔

''یہ رات کے ساتھ مخصوص ہیں۔'' اس نے برقی روشنیوں کو دیکھ کر سوچا۔

بھورے رنگ کی گھنی لٹ اس کے ماتھے پر پھڑپھڑائے جا رہی تھی۔ اس نے کاہلی سے اسے بالوں میں اڑسا اور دوبارہ اس کے گرنے کا انتظار کرنے لگی۔

''یہ رات کے ساتھ جلتی ہیں۔'' اس نے دوبارہ سوچا۔

لیکن یہ کوئی سوچ نہ تھی۔ یہ ان چھوٹے چھوٹے بیکار خیالوں میں سے ایک تھا جو خالی الذہن انسان کے دماغ میں آپ سے آپ چلے آتے ہیں۔ وہ اپنی کاہلی اور بے خیالی پر جھنجھلا گئی۔

لیکن وہ اکیلی تھی اور اندھیرا اس کے چاروں طرف پھیل چکا تھا اور بارش صبح سے ہو رہی تھی دور دور جھلملاتی ہوئی روشنیوں پر اور اس سے پرے اندھیرے کھیتوں اور میدانوں اور درختوں پر' لگاتار......

''جب یہ نہیں تھیں بارش جب بھی ہو رہی تھی۔'' اس نے پھر سوچا اور دل میں خیال کی نارسائی اور بے تکے پن پر جھنجھلائی۔

مسلسل بارش نے اس کے حواس کو کند کر دیا تھا اور وہ بیزار ہو چکی تھی۔ منتظر ہوا اس کے سرد بے جان چہرے سے ٹکرا رہی تھی اور اسٹول پر پاؤں لٹکائے' دریچے کے پتھر پر دونوں کہنیاں رکھ کر بیٹھی ہوا اتنی بے حس اور کاہل ہو گئی تھی کہ اٹھ بھی نہ سکتی تھی۔ اس نے گیلے' منجمد چہرے کو چھونا چاہا مگر ہاتھ اٹھانے کا ارادہ ترک کر دیا۔ پھر اس نے اوپر کا ہونٹ [illegible] اور وہ [illegible] خوشی اور مصنوعی طمانیت کے ساتھ بیٹھی ہوئی لٹ کے گرنے کا انتظار کرنے لگی جو لاپروائی سے بالوں میں الجھائی گئی تھی۔

چھوٹے چھوٹے بیکار' لایعنی خیال آپ سے آپ آتے اور جاتے رہے۔ اندھیرے میں اس کا وجود اور احساس دونوں معدوم ہو گئے۔

''سارے وقت بارش ہو رہی ہے۔'' اس نے دل میں کہا۔

رات کی مخصوص' دھیمی اور مسلسل بارش سارے ہی وقت ہو رہی تھی۔ دریچے کے نیچے' یوکلپٹس کے پتوں پر' نیچے باغ کے راستوں پر' ترپ ترپ..... اس کی خاموش آوازوں کی موسیقی سارے میں پھیلی ہوئی تھی' ایک ایک کر کے بند ہوتے ہوئے دریچوں پر' بجھتے ہوئے شیشوں پر' ایک ایک کر کے سوتے ہوئے مردوں عورتوں کے کانوں پر بج رہی تھی۔ رات کا سمے' جو بھاری اور محفوظ سے تھا' جانداروں کے لئے آرام کا سمے تھا۔ لیکن ہوا' جو دن بھر سے گیلی اور مضطرب تھی' چلے جا رہی تھی۔ بالآخر یہ رات غیر آباد نہ تھی۔ بند دریچوں کے باہر ہوتی ہوئی بارش خواب آلود اور پُراسرار تھی۔

''بارش سارے وقت ہو گی۔'' اس نے دل میں دہرایا۔

لٹ ابھی تک نہ گری تھی اور وہ جھنجھلا رہی تھی' ذہن کی نارسائی اور انتظار کی کوفت پر۔ اس نے دوبارہ ہونٹ پھیلا کر سونگھا۔ صرف ایک سانس تھا جسے وہ محسوس کر رہی تھی' گرم اور جاری انسانی سانس' باقی سب چیزوں کو

بارش کو اور چہرے کی گیلی ہیجان جلد کو اور خوشبودار درخت کے پتوں کو اور اندھیرے میں بازوؤں کی مدھم لکیروں کو اور دور دور جھلملاتی ہوئی گیلی اور اکلوتی روشنیوں کو اس نے فرض کر لیا تھا۔

''پھر؟'' اس نے سپاٹ لہجے میں دل میں کہا۔

سڑک کے پار دوسرے مکان کے شیشوں پر روشنی گل ہو گئی۔ کسی نے دریچہ کھول کر خاموشی سے باہر جھانکا۔ کوئی سونے کی تیاری کر رہا تھا۔ یہ بھی اس نے فرض کر لیا (کہ کبھی لوگ تو سوتے ہیں۔)

''پھر؟'' اس نے بیزاری سے دل میں دہرایا۔

برآمدے میں کسی نوکر کے گزرنے کی چاپ سنائی دی۔ ''بٹیا سو رہی ہیں۔'' انہوں نے ایک دوسرے سے کہا اور گزر گئے۔ باغ کی باڑ کے پیچھے ایک بیل گاڑی بھیگتی ہوئی گزر رہی تھی۔ اس کے نیچے لالٹین لٹک رہی تھی اور گیلی سڑک پر اس کا دھندلا عکس دور تک چلا گیا تھا۔ پھونس کی چھت کے نیچے بیٹھے ہوئے چند کسان موٹی اداس آوازوں میں باتیں کر رہے تھے اور بیلوں کو پچکار رہے تھے۔

لیکن اس دوسرے مکان کے شیشوں پر روشنی گل ہو گئی تھی اور ان کے پیچھے وقت کا اولیں بوسہ لیا جا رہا تھا' یا شاید لیا جا چکا تھا' کیونکہ وہ دو تھے اور جب کمرہ ابھی روشن تھا تو ان کے سائے شیشوں پر لرز رہے تھے اور وہ ایک دوسرے کے کندھوں پر ہاتھ رکھے باتیں کر رہے تھے' بے آواز باتیں' جن کو صرف وہی جانتے تھے۔ پھر جب مرد نے سگریٹ [illegible] کی نے ایک مختصر سا قہقہہ لگایا اور دریچہ بند کر دیا اور اب کمرہ گرم اور تاریک تھا اور باہر بارش ہو رہی تھی اور سڑک پر رات کے اکا دکا مسافر بھیگتے ہوئے گزر رہے تھے اور اب کمرہ گرم اور تاریک تھا' اور اب کمرہ......

''لاحول ولا قوۃ......'' عذرا نے پہلی دفعہ شعوری طور پر سوچا اور اسٹول سے اتر آئی۔ کمرہ پار کر کے اس نے بتی جلانا چاہی لیکن دیوار پر ہاتھ رکھے کھڑی رہی۔ ایک بہت پرانا خوف تھا جس نے اسے باز رکھا' لمحوں کے بہاؤ کو' وقت کے طلسم کو توڑ دینے کا خوف۔

اور لمحوں کے بہاؤ میں ایک دن اور گزر گیا۔ ایک سال اور۔ ابھی جب دن رخصت نہیں ہوا تھا تو بہت سے بچے کسی کی سالگرہ منا رہے تھے۔ بارش کی وجہ سے وہ محل کے پچھواڑے گھاس پر نہ جا سکے تھے اور برآمدوں میں اودھم مچاتے پھر رہے تھے اور چلا چلا کر گا رہے تھے اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے منعقد کر رہے تھے...... پچھواڑے کی طرف سبزے پر کیا عمدہ پارٹیاں ہوا کرتی تھیں۔ اللہ کیا یادگار زمانہ تھا۔ وہ لوگ اب کہاں گئے؟ وہ لوگ' آہ جتے برگ گل بفشاں بر مزار ما' کوئی بے حد دلکش انداز میں جھک کر کہہ رہا ہے۔ ارے یہ تو ایک بہت پرانا' بہت بھولا ہوا منظر ہے۔ حشمت ...... اور گھوڑ دوڑ کے مقابلے کر رہے ہیں۔ کوئی ریس کے دوران بیٹھ کر اپنے گھوڑے کی ٹوٹی ہوئی ٹانگ جوڑ رہا ہے۔ کوئی جب پیچھے رہ جاتا ہے تو گھوڑے کو بغل میں دبا کر بھاگ اٹھتا ہے۔ پھر وہ اپنی ہمجولی کو تنگ کرنے لگے کہ وہ انہیں اپنی سالگرہ کی نظم سنائے۔ ارے یہ تو تہمی ہے یہ پیاری سی عجیب و غریب لڑکی جو نظم سنا رہی

ہے۔ پھر رادھا ناچی اور ماسک ڈانس ہوا۔

''فرحت کی صحت کے متعلق کوئی تازہ بلیٹن شائع ہوا؟'' وہ ریاض سے پوچھ رہے ہیں۔ ''سینٹ جونز کی کیبنٹ میں کیک چرانے کا 'پورٹ فولیو' ریاض کے پاس ہے۔'' وہ ریاض کو تنگ کر رہے ہیں' ریاض جو گول مٹول سیدھا سادا لڑکا ہے۔ گریکسن انہیں سختی سے منع کر رہی ہے۔ گریکسن جو مشن میں چلی گئی ہے۔ اوہ' شریف خاتون! تو گویا آپ راہبہ بن گئیں! تھو تھو تھو۔ اب کیک پر موم بتیاں جل رہی ہیں اور سب مل کر مبارک باد کا گیت گا رہے ہیں' گریکسن جسے لیڈ کر رہی ہے۔

''چودھواں سال جو ختم ہوا۔

اس کے بعد پندرھواں آئے گا اور پھر سولھواں۔

اور ہم پھر پھر گائیں گے: 'پچھلا سال جو ختم ہوا'

چودھواں سال جو......''

سالگرہ کا یہ انوکھا گیت ایلس گریکسن کے وطن آئرلینڈ کا ہے۔ ایلس جو ایک بہت پرانی' بہت پیاری ساتھی ہے۔ لیکن اب وہ کچھ نہیں بتاتی' بات بھی نہیں کرتی۔ اب وہ اس قدر کمینے پن پر اتر آئی ہے کہ ملتی بھی ہے تو اجنبیوں کی طرح۔ بس بچوں میں مگن رہتی ہے اور بالوں کو [illegible] میں کس کر باندھتی ہے اور ہر روز گرجا کے پیانو پر بیٹھ کر [illegible] اور [illegible] میں [illegible] جاپ رہی ہے۔ [illegible] دل کا [illegible] پالیا ہے؟ میں اس سے پوچھنا چاہتی ہوں۔

''ہلو عذرا۔'' وہ اپنے کمینے پن کے سرد' ناآشنا لہجے میں کہتی ہے۔

''ہلو......'' میرے حلق میں کچھ اٹک جاتا ہے۔ جیسے میں نے کبھی اسے 'ایلی' کے نام سے نہیں پکارا' جیسے کبھی اس نے روشن محل کے توشہ خانے کے فرش پر بیٹھ کر پکوان تیار نہیں کئے' جیسے کبھی اس نے فوارے پر پیپل کی جڑ پر' باغ کے کونے کونے میں بیٹھ کر پہروں ارشد سے باتیں نہیں کیں۔ 'کیا ہم نے کبھی سوچا تھا؟' میں پوچھنا چاہتی ہوں 'یہ سب جو بیتا' خدایا' وہ کچھ بھی نہیں بتاتی۔ اس کے باوجود وہ اس قدر عزیز دوست ہے۔ دن رخصت ہو گیا اور روشن محل میں لوگ اب سونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ رات کا کھانا کب کا ختم ہو چکا۔ اب وہ درمیانی کمرے میں بیٹھے قہوہ پی رہے ہوں گے یا پی چکے ہوں گے اور اسے کوئی بلانے نہیں آیا۔ اسے کوئی بلانے نہیں آئے گا۔ یہ اس کا حکم ہے۔

''دلھنوں کے بہاؤ کو میں روک سکتی ہوں؟'' اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے ہوئے اس نے سوال کیا۔

بارش تھوڑی دیر کے لئے رک گئی تھی۔ وہ بجلی کے بٹن پر سے ہاتھ اٹھا کر باہر نکل آئی۔ نیم روشن گیلریاں طویل اور خالی تھیں۔ روشن آغا کے سوا سب کے رہائشی کمرے دوسری منزل پر تھے۔ اونچے' تنگ محرابی دروازے بند تھے اور منقش شیشوں پر روشنیاں جل رہی تھیں۔

UrduPhoto.com

روشنیاں بجھ رہی تھیں۔ یہ ممی کا کمرہ ہے جس میں ابھی ابھی روشنی گل کی گئی ہے۔ میری ماں' جس کا میری زندگی سے کبھی کوئی تعلق نہیں رہا۔ بس جیسے یہ بند کمرہ ہے اور میں اس کے آگے سے گزر رہی ہوں اور ممی اندر اکیلی رہ رہی ہیں' تنہا اور محفوظ' بے حد شان و شوکت کے ساتھ۔ لیکن میں عذرا ہوں ممی' میں نے آپ کا کیا بگاڑا ہے۔ خدارا بتلائیے...... گیلری خاموش اور اندھیری ہے اور میں اکیلی یہاں سے گزر جاتی ہوں۔ یہ نجمی کا کمرہ ہے۔ میری پیاری بہن۔ جس کو اس گھر میں صرف میں سمجھتی ہوں اور اسی لئے اس سے محبت کرتی ہوں۔

وہ آہستہ سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ نجمی کمبلوں میں لپٹی' دیوار سے ٹیک لگائے بستر پر بیٹھی تھی۔

''عذرا آپا...... روشن آغا کھانے پر آپ کو پوچھ رہے تھے نا۔''

''مجھے وہ نظم سناؤ۔'' اس نے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''جو آج سب کو سنا رہی تھیں۔''

''ایک شہزادہ اور اس کا دوست مینڈھا' عذرا آپا؟'' اس نے آنکھیں جھپکتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں بھئی۔ اکیلا شہزادہ۔''

''نہیں عذرا آپا اس کا دوست مینڈھا بھی۔'' نجمی نے دونوں ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھ کر سمجھانے کی کوشش کی۔

''ارے نہیں بھئی۔'' عذرا نے جھنجھلا کر کہا۔ ''اکیلے شہزادے کی نظم سناؤ۔''

''[illegible] چکی ہیں۔''

''اچھا کل سنیں گے۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس نے نجمی کو لٹایا' کشن ٹھیک کئے اور جھک کر اس کی پیشانی کو چوما۔ ''شب بخیر بی بی' اب آپ سو جاؤ۔''

بتی بجھا کر وہ باہر نکل آئی۔ گیلری اسی طرح طویل اور خالی تھی۔ دوسرے سرے پر ایک مہری نے سائے کی طرح لپک کر گیلری پار کی اور زینے پر غائب ہوگئی۔ بارش پھر شروع ہو چکی تھی۔

UrduPhoto.com

یہ پرویز کا کمرہ ہے۔ اور اس کی بیوی کا' اس دوسری' اجنبی عورت کا جو مجھے نہیں جانتی۔ بس جیسے ہم روشن محل میں سو رہے ہیں اور سڑک پر سے کوئی مسافر بھیگتا ہوا گزر جائے لیکن پھر بھی یہ اس کا کمرہ ہے اور اس میں اس کا سامان رکھا ہے جس پر گرد جم رہی ہے اور جسے اس کی اجازت کے بغیر کوئی نہیں کھول سکتا۔ اور پرویز' میرا بھائی' جو میرا دوست بھی تھا اس کے ساتھ چلتا ہوا دور نکل گیا ہے' اور میں...... وہیں پر آ گئی ہوں جہاں سے چلی تھی۔ کاش میرا بھائی مجھ سے' میری دنیا سے صلح کر لینے پر آمادہ ہو سکتا' کاش...... لیکن میں اس کی پرواہ نہیں کرتی کیونکہ اب میں اپنے کمرے کے سامنے آ گئی ہوں۔ بالآخر یہ میرا کمرہ ہے۔ اس جگہ میں بچپن سے رہتی آئی ہوں۔ یہاں میں نے کیسے کیسے خواب دیکھے ہیں۔ مجھے اس کمرے سے نفرت ہے۔ اس کے دریچے کے شیشوں پر یوکپٹس کے پتوں کا عکس پڑتا ہے جو مجھے ناپسند ہے۔ بارش جب تیز ہو جاتی ہے تو بے پناہ شور اندر آتا ہے کیونکہ یہ گیلری کے اختتام پر ہے۔ یہ بھی مجھے ناپسند ہے۔ اس کمرے میں میں نے کیا کیا سوچا ہے' کیسے کیسے پروگرام بنائے ہیں۔ ان میں